نظیر اکبر آبادی اور کارل مارکس: تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ثمینہ گل
شعبہ اردو یونی ورسٹی آف لاہور سرگودھا کیمپس
عرفان حسین
شعبہ اردو یونی ورسٹی آف لاہور سرگودھا کیمپس
محمد عمران
شعبہ اردو یونی ورسٹی آف لاہور سرگودھا کیمپس

Abstract

The creative fragrance rising from the fertile soil of the Indian sub-continent gave universality to civilizational and cultural ideas. His famous universal ideas and the word epoch have been influencing the semantic system; these words combined the objective phenomena of nature. The imaginative and prescient world, where the conscious revolution under the natural system, also shows the possibilities of settling in new places. When the natural laws were chained to the self-made rules, resistance behavior came out. Writes lamentations on the plight. The social system needs its positive thinking and lives through the stages of division and the society is divided into a class system.

Nazir Akbarabad realized his belonging in Urdu literature by making the social attitudes of this class system the subject. Be it a celebration of life or a mourning of circumstances, Nazir Akbarabadi captured this feeling and gave life to the artwork by being a part of the creative moment. He deviated from the poetry tradition of the era and took a different approach. The fanciful color in his poetry is a sign that he was aware of the social class system. He took into account the behavior of the people, their thinking, and their conditions, which were crushed in the mill of poverty and bankruptcy

The exploitation of such people through oppression was such an injury to his minds that Nazar Akbarabadi felt when he came close. He made social, moral, reform, and cultural values topics in his speech.

Karl Marx based human power on the evolution of nature and society. Karl Marx identified these factors of the class system. Whereby the concentration of wealth gives rise to the class system. Conditions like misery, slavery, and ignorance only create evolution in feeling. The

main reason for the psychological problems in society is the class system in the society. When Nazir's poetry is seen from a Marxist reading, Nazir Akbarabadi's poetry highlights public problems and reflects these conditions. Karl Marx's poem "The Man and the Drum" is in the form of a fictional story, but the man mentioned in it appears to form a unit with the man of Nazir Akbarabadi.

Any work of art is a mirror of the thinking and thought of its era. The aspects of the artist's personality can be easily seen in their work of art. The class system of that period creates a picture of psychological conflict with the changing state of human behavior. Karl Marx and Nazir Akbarabadi are residents of two different eras and different lands, but there is harmony in the ideas of both. The study is a symbol of where the class system was described with poetry. Nazir Akbarabadi's poetry is the basis of Karl Marx's Marxist theory, which he made a part of his works as well as his philosophy.

کلیدی الفاظ: نظیر اکبر آبادی کی شاعری کارل مارکس کے مارکسی نظریے کی بنیاد ہے۔

انسانی زندگی ماضی کے دھندلکے، حال کے اجالے اور مستقبل کی جھلک کے ساتھ رواں رہتی ہے۔ ہر عہد میں یادگار واقعات انسان کی زندگی کا قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔ زندگی آسان کرنے کے لیے معاشرے کے چند افراد مل کر کچھ قوانین مرتب کرتے ہیں۔ سماجی نظام جب تنظیم سازی کر کے اصولوں کی زنجیر میں باندھ دیا جائے تو فطری نظام خراب ہونے لگتا ہے۔ فطرت ہمیشہ آزاد فضا میں پھلتی پھولتی ہے۔ آزادی سوچ اور فکر بندھے ہوئے اصولوں کو توڑ پھوڑ کر نئے اصولوں کی بھینٹ چڑھا دیتی ہے تو اندھا، گونگا، بہرا سماج چند طاقتور سوچوں کے تابع ہو جاتا ہے، مگر جب ادب تخلیق ہوتا ہے تو ادیب اپنی سوچ کے مطابق تخلیقی قوت کو بروئے کار لاتا ہے۔ تخلیق کار اپنی سوچ کے مطابق کائنات کا تانا بانا بُنتا ہے۔ اپنے اظہار کے ذریعے تقلیدی سماج کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی سعی کرتا ہے۔ فطرت سے جڑا تخلیق کار اپنے اظہار میں کس قدر آزاد ہے اور کس قدر پابند۔ ان کا اندازہ اس کی تخلیق یا فن پارے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ کسی بھی تخلیق کار کا فن پارہ جہاں اپنی تخیلاتی کائنات سے متعارف کراتا ہے، وہاں وہ سماج کے نظام اور بدلتے ہوئے نظامی امکانات کو بھی مدِ نظر رکھتا ہے۔ پھر تخلیق شعوری لاشعوری طور پر تخلیقی قوت امکانات میں جھانکنے لگتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی زرخیز مٹی سے اُٹھنے والی تخلیقی خوشبو نے تہذیبی و ثقافتی افکار کو عالمگیریت بخشی۔ ان کے شہرہ آفاق افکار اور لفظ عہد در عہد معنیاتی نظام کو متاثر کرتے رہے ہیں، ان لفظوں نے فطرت کے معروضی واقعات کو یکجا کیا۔ تصوراتی اور تخیلاتی دنیا جہاں فطری نظام کے تحت شعوری انقلاب برپا کرتی ہے، وہاں نئے جہاں آباد ہونے کے امکانات بھی ظاہر کرتی ہے۔ فطری قوانین کو جب خود ساختہ اصولوں کی زنجیروں میں باندھا گیا تو مزاحمتی رویہ سامنے آیا نئے افکار نئی سوچ کا دارومدار آزادانہ طریقِ زندگی ہے، مگر پابند سلاسل میں افکار حالات کا مرثیہ پڑھتے ہیں۔ حالت زار پر نوحے لکھتے ہیں۔ سماجی نظام اپنی مثبت سوچ کا محتاج ہو کر زندگی کو تقسیم کے مراحل سے گزارتا ہے اور سماج طبقاتی نظام میں بٹ کر رہ جاتا ہے۔

نظیر اکبر آبادی نے اُردو ادب میں اپنے ہونے کا احساس اسی طبقاتی نظام کے سماجی رویوں کو موضوع بنا کر کیا۔ جشن زندگی ہو یا حالات کا مرثیہ نظیر اکبر آبادی نے اس احساس کو اپنے اندر اتارا اور تخلیقی لمحے کا خود حصہ بن کر فن پارے کو زندگی عطا کی۔ انہوں نے عہد میں ہونے والی شاعری کی روایت سے انحراف کیا اور جداگانہ روش اختیار کی۔ ان کی شاعری میں مداحی رنگ اس بات کی علامت ہے انہیں سماجی طبقاتی نظام کا ادراک تھا۔ انھوں نے غربت اور مفلسی کی چکی میں پسے ہوئے لوگوں کے رویے، ان کی سوچ، ان کے حالات کو مد نظر رکھا۔ ظلم و جبر کے ذریعے ایسے لوگوں کا استحصال ان کے ذہن پر ایسی چوٹ تھی جو نظر اکبر آبادی نے قریب جا کر محسوس کیا اور تہذیبی ثقافتی اور سماجی اقدار کو موضوعات بنایا، انہوں نے فطرت کے معروضی واقعات کو اپنی مشاہداتی نظر سے دیکھا، وہ کائنات کو ایک چمن سے تشبیہ دیتے ہیں،

انہوں نے پھولوں کو وہ تمام اقسام کا علاحدہ علاحدہ ذکر کیا اور ان پھولوں کی خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں علامتی طور پر استعمال کیا، ہر پھول کی خاصیت کو انسانی رویے سے مماثل کرتے ہوئے اس کے رویے عادات واطوار کو نمایاں کیا:

دنیا چمن ہے یار و خوب یہ آراستہ۔۔۔۔ سر سبز رہے اس کا ہر سبزہ یہ پیوستہ

ہر پھول کے آنے کا جاری ہے سدا رستہ۔۔۔۔ ہر شاخ مقطع ہے ہر برگ ہے برجستہ

دنیا کہوں اس کو یہ باغ ہے برجستہ۔۔۔ کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گلدستہ (ضواہر کلیاتِ نظیر، ص:14

نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں عوامی سوچ کے علاوہ عالمگیر فکر و فلسفہ بھی ملتا ہے۔ ان کی شاعری نے خودی کے نظریے کو تقویت دی، نظم: "خود کو پہچان" اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سماج کے طبقاتی نظام میں بٹے ہوئے انسانوں کو ان کی صلاحیتوں سے روشناس کرتے ہیں اور انہیں بار بار آئینہ دیکھنے پر مجبور کرتے ہیں:

لے آئینے کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ۔۔۔۔ صورت میں اپنی قدرت پروردگار دیکھ

خال سیاہ اور خطِ مشکبار دیکھ۔۔۔۔ ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ

اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

آئینہ کیا ہے جان! ترا پاک وصاف دل۔۔۔ اور خال کیا ہیں، تیرے سوید کے رخ کے تل

زلف دراز جہنم ورساسے رہی ہے مل۔۔۔۔۔ لاکھوں طرح کے پھول رہے ہیں کبھی سے کھل

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ۔۔۔ اے گل اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

(جواہر کلیات نظیر اکبر آبادی، ص:134)

کسی بھی معاشرے کی تشکیل میں سماج کے رہنے والوں کے انفرادی رویے اور اجتماعی رویے سوچ و فکر میں تغیر پیدا کرتے ہیں۔ کارل مارکس کا سماجی نظریہ اور معاشی نظام فرد واحد کو اکائی بناتا ہے۔ اس کے سماج کا فرد اور اس کا رویہ روایات اور سماج سے جڑا ہوا ہے، وہ اپنے تمام عقائد اور روایات کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ ان کے نزدیک فرد واحد کا رویہ مجموعی انداز میں سامنے آتا ہے۔

"سماج کی بنیاد مذہب یا اخلاقیات پر نہیں، بلکہ فطرت اور محنت ہے۔ کارل مارکس کا طریقہ کار مادہ پرستانہ ہے، کیوں کہ وہ وجود سے شعور کی طرف جاتا ہے"۔

(مارکسزم ہمارے عہد میں، تحریر: لیون ٹرالسکی، مترجم: راشد خالد، ص:8)

کارل مارکس نے فطرت اور سماج کے ارتقاء میں انسانی قوت کو بنیاد بنایا۔ کارل مارکس نے طبقاتی نظام کے ان عوامل کی پہچان کرائی۔ جس کے تحت دولت کا ارتکاز طبقاتی نظام کو جنم دیتا ہے۔ بد حالی، غلامی، جہالت جیسی کیفیات ہی احساس میں ارتقاش پیدا کرتی ہیں۔ ان تمام نظریے کو جب ہم نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں دیکھتے ہیں، تو ہمیں روٹی، مفلسی، پیسہ نامہ، کوڑی نامہ، تلاش زر، روٹیاں، چپاتی نامہ، پیٹ کی فلاسفی، آٹا دال جیسی نظمیں سامنے آتی ہیں۔

کوڑی ہے جن کے پاس وہ اہل یقین ہیں۔۔۔ کھانے کو ان کے نعمتیں سو بہترین ہیں

کپڑے بھی ان کے تن میں نہایت مہین ہیں۔۔۔ مجھے ہیں اس کو وہ جو بڑے نکتہ چین ہیں

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں

کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

(معیاری ادب نمبر 5، انتخاب نظیر اکبر از رشید حسن خان: مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ص:77،78)

نظیر اکبر آبادی مادی زندگی کو صاف اور سیدھا سیدھا بیان کرتے ہیں ان کے شعری بیان میں مبالغہ آرائی کم اور حقیقی زندگی کا پرتو زیادہ دکھائی دیتا ہے کیونکہ نظیر نے جب آنکھ کھولی تو آگرہ کا تباہی دیکھا نادر شاہ کے حملوں نے دلی اور آگرہ کی سیاسی فضا کو مکدر کر رکھا تھا آگرہ کی معاشی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی سیاسی اور معاشی بحران نے برصغیر

کے ان شہروں میں بھوک اور افلاس کو جنم دیا جس کے باعث شہر جہاں تباہی و بربادی کی تصویر دکھائی دیتے تھے وہاں افراد غربت و افلاس کے ہاتھوں نوحہ کناں تھے ایسے میں نظیر اکبر آبادی کا 'شہر آشوب" ایک شاعر کے احساس کو بیدار رکھتے ہوئے تخلیق ہوتی ہے

"نظیر نے شہر آشوب میں ان بے روزگاروں کا ماتم کیا ہے۔ یہ نظم نہیں، اکبر آبادی کی روح کی پکار ہے اور یہ پکار محلوں کو ٹھیوں کی نہیں بلکہ دکانداروں، فقیروں، مصوروں اور شاعروں کی پکار ہے"۔

(نظیر نامہ: مرتب شمس الحق عثمانی، 1981ء، ص:214)

آگرہ کا سیاسی و سماجی ماحول ہندوستان میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے اورنگ زیب سے پہلے سکندر لودھی کے عہد میں آگرہ ہندوستان کا دارالسلطنت بنا، شیر شاہ سوری نے آگرے کو فتح کیا۔ 1555ء میں ہمایوں نے آگرہ واپس لے لیا اور پھر اکبر نے 1558ء میں آگرہ کو اپنی حکومت کا حصہ بنا دیا، دریائے جمنا کے کنارے شہنشاہ اکبر نے شہر آباد کیا، جس کا نام انہوں نے اکبر آباد رکھا۔ تاج محل اور ممتاز محل شاہ جہاں کی فن تعمیر کا انمول شاہکار آگرہ ہی میں ہے۔ 1770ء میں آگرے کی خراب حالت کو میر نے بھی اپنے کلام اور ذکر میر کا حصہ بنایا۔ نادر شاہ اور ابدالی حملوں کی لوٹ مار نے آگرہ کی سماجی حالت کو برباد کر دیا۔ آگرہ کی گلیوں کی پرانی اور انسانی حالت کی کسمپرسی نے جہاں میر کو متاثر کیا 1830ء میں نظیر اکبر آبادی پیدا ہوئے تو آگرہ کی سیاسی اور معاشی صورت حال بہتر نہ تھی نظیر اکبر آبادی کو ان حالات نے بھی متاثر کیا۔ انھوں نے آگرہ کی سیاسی، سماجی صورت حال کو عام عوام کے قریب جا کر ان کے مسائل کو دیکھا افلاس اور غربت کی چکی میں پسے ہوئے لوگوں کے مسائل، ان کی سوچ اور ایسے معاشرے کی پیداوار افراد کی نفسیات کو سمجھا۔ پیسہ انسانی زندگی کو کس حد تک متاثر کرتا ہے وہ کس نہج پر پہنچ کے زندگی گزارتا ہے سماج میں اس کا کیا مقام ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے:

کیسا ہی آدمی ہو، پر افلاس کے طفیل۔۔ کوئی گدھا کہے اسے، ٹھہرائے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام، بڑھے بال پھیل پھیل۔۔ منہ خشک، دانت زرد، بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

(جواہر کلیاتِ نظیر، ص:86

پیسے کا حصول اور بغیر پیسے کے زندگی کا نظیر اکبر آبادی اپنی نظم "شہر آشوب" میں نقشہ اس طرح سے کھینچتے ہیں:

قسمت سے چار پیسے جنہیں ہاتھ آتے ہیں۔۔۔ البتہ روکھی سوکھی وہ روٹ کھاتے ہیں
جو خالی ہاتھ آتے ہیں وہ قرض لینے جاتے ہیں۔۔ یوں بھی نہ پایا کچھ، تو فقط غم ہی کھاتے ہیں
سوتے ہیں کہ کواڑ کو اک آہ مار بند

(انتخاب: کلام نظیر اکبر آبادی، ص:155، مرتبہ: فاروق سکرٹری عالمی اُردو کانفرنس، 2003ء)

کارل مارکس نے طبقاتی نظام کے عوامل کی پہچان سماجی نظام میں رونما ہونے والے واقعات کے ساتھ جوڑ کرائی۔ سماج میں نفسیاتی مسائل کی بنیادی وجہ سماج میں طبقاتی نظام ہے۔ جب نظیر کی شاعری کو مارکسی قرءت سے دیکھیں تو نظیر اکبر آبادی کی شاعری نے عوامی مسائل کو نمایاں اور ان کیفیات کا عکس دکھائی دیتا ہے

نظیر اکبر آبادی نے ہندوستان کے عام سماجی انسان کی نفسیات کو بیان کیا ہے، بلکہ ان کی نظمیں انسانی نفسیات کے ان پہلوؤں کی طرف لے جاتی ہیں، جو فطری طور پر پرورش پانے والے ماحول کے ساتھ پروان چڑھتی ہیں۔ "آدمی نامہ" نظم کا منظر نامہ نظام آفاقیت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس نظم میں آدمی کا کردار یک رخی نہیں، بلکہ گول گیند کی طرح گھومتا ہے۔ زندگی کے تمام پہلوؤں کی پرتیں کھولتا ہے۔ آدمی کی زندگی کی تاریخ اور اس کے پیش نظر فطرت کے تضاد کو مشاہداتی انداز میں پیش کرتا ہے۔

نظیر کے ہاں آدمی اشرف المخلوق ہے، مگر وہ عجیب و غریب اور پیچیدہ ہے۔ وہ ان تمام انتہاؤں کو ابتدا کے ساتھ ملا کر بیان کرتا ہے۔ نظیر کے مشاہدے میں جہاں غریب مفلس، بے کس و بے سہارا اجڑے ہوئے انسان ہیں وہاں وہ امیر، بادشاہ، وزیر اور بلند و بالا محلوں میں رہنے والوں کی سماجی زندگی کو بھی موضوع بناتا ہے۔ ظلم و

جبر کے نتیجے میں پیدا ہونے والا معاشرہ غلامی، مفلسی کے باوجود سفاکی خود غرضی، خود پرست، مجرمانہ ذہنیت کو سماج پر ہونے والے اثرات کے ساتھ اپنی نظموں کا حصہ بناتا ہے۔

کارل مارکس کی نظم "آدمی اور ڈھول" ایک فرضی قصہ کی صورت میں ہے، مگر اس میں جس آدمی کا ذکر کیا گیا ہے، وہ نظیر اکبر آبادی کے آدمی کے ساتھ مل کر ایک اکائی بناتا ہے۔

"ایک ڈھول ہے، جس کا کوئی مالک نہیں اور ایک آدمی ہے، جس کے پاس کوئی ڈھول نہیں۔ ڈھول بہت چالاک
ہے، آدمی نہایت ۔۔۔۔ ڈھول تسموں سے بندھا ہے لیکن آدمی اپنی مرضی کا مالک ہے اور ڈحول اپنی جگہ جما رہتا
ہے، جب کہ آدمی لڑھ کر جاتا ہے، ناراض آدمی اسے پیٹتا ہے اور ڈھول دھماڈھم بجنے لگتا ہے۔
ہاں ڈھول مسخرے پن سے گڑ گڑاتا ہے۔
اور آدمی گھوڑا سا ہنہناتا ہے۔
اور پھر آدمی مشکلیں بناتا ہے اور ڈھول اس پر قہقہے لگاتا ہے اور آدمی گھر میں چیختے چلاتے، اچھلتے کودتا ہے اور
غضب و جلال کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ڈھول، ہی ڈھول تم اتنے نقل اتارنے والے انداز میں کیوں ہنستے ہو؟
تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو اور زبان چڑاتے ہو۔
تم کمینے ڈھول، تم نے مجھے شرمندہ کیا، تم طنز کرتے ہو
اور تم بے نسب!
تم لڑکھڑاتے کیوں نہیں؟ جب میں پیٹتا ہوں؟
تم وہیں کیوں ٹنگے رہتے ہو، جہاں تمہیں باندھا گیا؟
تم سمجھتے ہو میں نے تمہیں ایک بنے بنائے ڈھول کی شکل میں درخت سے اتارا تھا؟
تم اس طرح رویہ رکھتے ہو جیسے یہ سب تم نے خود ہی کیا ہو۔
"تمہیں رقصاں ہونا چاہیے، جب میں تمہیں پیٹتا ہوں، تمہیں سُر ملانا چاہیے جب میں گاتا ہوں، تمہیں رونا چاہیے
جب میں ہنسوں، تمہیں ہنسنا چاہیے جب میں۔۔۔۔ رہوں
آدمی ڈھول کی طرف تیوری چڑھائے بالکل اچانک ہی اسے برہمی سے چکر دیتا ہے، وہ اسے بجاتا ہے اور بجاتا ہے،
یہاں تک کہ اس کا خون ابل پڑتا ہے۔
اس طرح ڈھول ہے، جس کا کوئی مالک نہیں اور آدمی ہے، جس کا کوئی ڈھول نہیں اور آدمی مقدس احکامات کی
پیروی میں راہب بن جاتا ہے"

(کارل مارکس کی نظمیں، مترجم: ممتاز رفیق، سانجھ پبلی کیشن، دسمبر 2009ء، ص:118)

کارل مارکس کی نظم "آدمی اور ڈھول" گو کہ ایک فرضی کردار ہیں، مگر حقیقت اور سماج کے ساتھ مکمل طور پر جڑے ہوئے۔ ایک طرف روزگار ہے جس کو کوئی اختیار کرنے والا نہیں اور دوسری طرف آدمی ہے، جس کا کوئی روزگار نہیں۔ پھر دو اجنبی چیزیں جب اکٹھی ہوتی ہیں تو تصادم کے امکانات میں اضافہ ہو جاتا ہے، مگر اس نظم میں ہر چیز کو اپنے تابع کر کے اپنی خود پرستی اور خود غرضی کے جذبے کو نمایاں کیا گیا ہے

نظیر اکبر آبادی کی نظم "آدمی نامہ" بھی ان تمام پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے، جن پہلوؤں کو کارل مارکس کی اس نظم نے نمایاں کیا۔ نظیر نے زندگی کا قریب سے مطالعہ کیا۔ انہی سماج کے اونچے نیچے طبقے عام وخاص کا فرق کو سمجھنے کا ادراک تھا۔ آدمی نامہ میں انہوں نے انسان کی تمام جہات کو پیش کیا۔ انسان کی تمام کمزوریوں اور طاقتوں

کا ذکر کیا، یعنی آدمی اپنی زندگی میں اتنا خود مختار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی راہ کا تعین کرتا ہے۔ اس کا اپنا چنا ہوا راستہ اسے تباہی و بربادی کی طرف لے جاتا ہے اور اپنا ہی اختیار کیا ہوا راستہ انسان کو معراج تک لے جاتا ہے۔ نظیر کے "آدمی نامہ" میں انسان کمینہ بھی ہے، خبیث بھی اعلیٰ و ارفع بھی ہے اور ادنیٰ بھی۔ نظیر نامہ میں امکانات کا حامل آدمی اپنی مختلف حیثیتوں اور انفرادی خصوصیات کے ساتھ اپنے روزمرہ کے معمولات مشاغل اور سرگرمیوں میں مشغول ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی آدمی نامہ نظم تئیس بندوں پر مشتمل ہے، جس میں نظریہ جبر و قدر نہیں بلکہ انسان کی اپنی خود مختاری کو موضوع بنایا گیا ہے۔

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب، غوث و ولی آدمی ہوئے　　منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے　　حتیٰ کہ اپنے زور ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا　　شداد بھی بہت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا کہاتا تھا برملا　　یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے آدمی ہی نور　　یاں آدمی ہی پاس ہے آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبیح میں ہے یاں ظہور　　شیطان بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر زار
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں　　بنتے ہیں آدمی ہی امام و خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن و نمازیاں　　اور آدمی ہی ان کے چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(مع مقدمہ انتخابِ کلیاتِ نظیر از جلال الدین احمد جعفری: مطبع انوار احمد پریس الہ آباد سنہ ندارد: ص: 91)

یہ نظم بظاہر عینی مشاہدات اور تاریخی واقعات کی غیر جانبدارانہ ذہنی کیفیت کی غماز ہے، جس میں نہ خوشی کا دخل ہے نہ غمی کا۔ آدمی کی ہمہ رخی تصویر دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ یہاں دنیا میں ایک تماشہ لگا ہوا ہے اور سب ایک دوسرے کے تماشائی ہیں۔ نظم: "آدمی نامہ" میں آدم کی عادات و اطوار کی ایک تفسیر ہے جس کو نظیر اکبر آبادی نے بڑی مہارت کے ساتھ بیان کیا۔ انہوں نے لفظوں سے بدلتی ہوئی سماجی زندگی کے بدلتے تقاضوں کی پیداوار میں حقیقت نگاری کی وہ آدمی ہی کو تمام اقدار کا پیمانہ مانتا ہے اور آدمی کے انکار سے ہی اس کی توہین ٹھہراتا ہے۔ نظیر نے سماجی زندگی میں مذہب، اخلاق، معیشت، فکر، علم و دانش کی تصویر نمایاں کی۔ ان کی نظم سے سماج کا ایک منظر سامنے آتا ہے۔ معاشرے کے حالات و واقعات عام سطح پر دکھائی دیتے ہیں۔ عام انسان کی زندگی اور اس زندگی گزارنے کا ڈھنگ مسائل اور ان کے حل بھی تلاش کرنے کی کوشش کی۔ نظیر اکبر آبادی وہ واحد شاعر ہے جس نے درباری شاعر ہونے سے انکار کیا اور عام انسان کے قریب ہو کر زندگی کو قریب سے دیکھا۔ نظیر اکبر آبادی کی عوامیت یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ عوام اس کائنات کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ انہوں نے اپنی حس کے ذریعے حسِ جمالیات کے دائرے کو وسیع کیا۔ ان کا جمالیاتی نقطہ نظر تہذیبی زندگی کے مناظر کو ساتھ لے کر ابھرتا ہے۔ مظاہر فطرت میں رقص و حیات، خوبصورت آوازوں کا آہنگ، بہار، چاندنی، برسات کا تماشا، برسات کی بہاریں جیسی نظمیں تخلیق کرتے ہوئے وہ موسموں کی رنگینیوں کو نمایاں کرتے ہیں تو کبھی چمن میں کھلنے والے پھولوں کی اقسام پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ نظیر کا مذہب انسانیت کی بنیاد پر

قائم ہے۔ وہ بلا تخصیص خوشی اور غمی کے تہواروں کو اپنا موضوع بناتے ہیں۔ بسنت، ہولی، دیوالی، عید، شب برات جیسی نظموں سے خوشیاں کشید کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں سماج میں رہنے والا ہر انسان آزاد ہے اور اسے خوشی کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

کارل مارکس کے مطابق انسان خود فطرت کی پیداوار ہے، جس نے اپنے ماحول میں اس کے ساتھ مل کر معاشرے کی تکمیل کی۔ انسانی ذہن کی حاصلات فطرت کی حاصلات ہیں اور فطرت باہمی رابطوں کی تردید نہیں کرتی، بلکہ ان سے مطابقت کرتی ہے۔ کارل مارکس کے نزدیک جب کوئی بھی مادیت کی طرف راغب ہوتا ہے تو اس کے نزدیک غیر مرئی چیزوں کی اہمیت خاص ہو جاتی ہے۔ انسانی جذبوں کو مشینی زندگی پر اہمیت دیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

> "اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ہر اس چیز کو جو لوگوں کو عمل پر آمادہ کرتی ہے، ان کے دماغوں کے ذریعے سے ہی آنا چاہیے، حتیٰ کہ کھانا اور پینا بھی جو دماغ سے گزر کر بھوک اور پیاس کے آنے والے احساس سے شروع ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ بھی اس طرح دماغ سے گزر کر آنے والے اسی احساس کی تکمیل پر ہوتا ہے۔ آدمی پر بیرونی دنیا کے اثرات اپنے آپ کو اس کے دماغ میں ظاہر کرتے ہیں اور وہاں احساسات، خیالات، ہیجانات اور ارادوں۔ مختصر یہ کہ "عینی رجحانات میں معکوس ہوتے ہیں ارو اس کا اعتراف کرتا ہے کہ عینی طاقتیں اس پر اثر انداز ہوئی ہیں تو ہر شخص جس کی نشوونما حسب معمول ہوئی ہے پیدائشی عنیت پرست ہے"۔
> (کارل مارکس، مارکسی فکر و فلسفہ کے خدخال،، مترجم: مرزا اشفاق بیگ، ص:170)

نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں قوت اور فن عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری کے کردار ہنستے بولتے حقیقی زندگی کے ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں بعض واقعاتی نظمیں، منظر نگاری، جذبات نگاری، جزئیات نگاری کی جھلک دکھاتے ہیں۔ نظموں کا مکالماتی انداز نظموں میں ڈرامائی عنصر پیدا کر دیتا ہے۔ جس کے کردار جاندار اور حقیقی زندگی کے ترجمان ہیں۔

کوئی بھی فن پارہ اپنے عہد کی سوچ و فکر کا آئینہ ہے فن پارے میں فنکار کی شخصیت کے پہلوؤں کو آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے نظیر اکبر آبادی نے اپنے دور مادیت اور احساسیت کے درمیان بنائی گئی تصویر کو نمایاں کیا۔ اُس عہد کا طبقاتی نظام انسانی رویوں کی بدلتی ہو حالت نفسیاتی کشمکش کی تصویر بناتی ہے۔ کارل مارکس اور نظیر اکبر آبادی دو الگ الگ عہد اور الگ الگ سرزمین کے رہنے والے ہیں، مگر دونوں کے نظریات میں ہم آہنگی موجود ہے۔ نظیر کے عہد کا مطالعہ اس بات کی علامت ہے جہاں طبقاتی نظام کو شعریت کے ساتھ بیان کیا گیا۔۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری ہی کارل مارکس کے مارکسی نظریے کی بنیاد ہے جس کو انھوں نے اپنی تخلیقات کے ساتھ ساتھ اپنے فلسفے کا بھی حصہ بنایا۔